مسئلہ کشمیر پر تین پارٹیوں کی

گول میز کانفرنس

انتخابات عام کے وقت کشمیر کے عوام کا

واحد مطالبہ

از

مولوی شمیم احمد مسعودی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی

وکیل ہائیکورٹ

آزاد امیدوار لوک سبھا

(کوہ نور پریس سرینگر)

مسئلہ کشمیر پر گول میز کانفرنس

گول میز کانفرنس کا فائدہ

کشمیر کے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اس مسئلے کے ساتھ براہِ راست تعلق رکھنے والے تین عناصر، رہنمایانِ کشمیر، حکومت ہندوستان اور حکومت پاکستان کی گول میز کانفرنس کے مطالبے کو میں نے اپنے انتخابی منشور کا مرکزی اور بنیادی نکتہ قرار دیا ہے میری جچی تلی رائے یہی ہے کہ کشمیر کا مسئلہ ایک واحد مسئلہ ہے جو مسلمہ طور پر نہ صرف ریاست کشمیر کے ساٹھ لاکھ باشندوں کی پریشانیوں اور مصیبتوں کا ذمہ دار ہے بلکہ ہندوستان اور پاکستان دو ہمسایہ مملکتوں کے درمیان آئے دن کی کشمکش، عناد اور مخاصمت اور مخالفت کا اصلی سبب ہے۔ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے سے ہی ان ساری بیماریوں کا علاج ہو جائے گا۔ ایک طرف ریاست کے عوام کے لئے اپنے مستقبل کو سنوارنے اور دنیا کی ترقی یافتہ انسانی آبادی کی اگلی صف میں اپنی جگہ تلاش کرنا ممکن ہو جائیگا اور دوسری طرف یہ دو عظیم الشان ہمسائے ہندوستان اور پاکستان ایک دوسرے کی دوستی اور تعاون سے براعظم ایشیا میں اپنا اصلی مقام حاصل کر کے دنیا کے امن اور ترقی کو بڑھاوا دے سکیں گے۔

جھگڑے طے کرنے کا صحیح طریقہ

دنیا بھر کے عاقل، مخلص اور بنی نوع انسان کے ہمدرد لوگ اس امر پر متفق

ہیں کہ قوموں کے درمیان متنازعہ فیہ مسائل کو حل کرنے کا بہترین اور موثر ترین راستہ آپس کی بات چیت اور افہام و تفہیم کا راستہ ہے۔ وہ کشمیر کا مسئلہ ہو یا کوئی اور بڑا مسئلہ اگر اس سے تعلق رکھنے والے اور اس پر جھگڑنے والے فریق آپس میں سر جوڑ کر بیٹھیں اور اپنے اختلاف کا تجزیہ کر کے مسئلے کا حل تلاش کرنے کی کوشش کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ آخر کار کسی متفقہ فیصلے پر نہ پہنچ جائیں

پنڈت جواہر لال نہرو کا احساس

حقیقت آج سے کوئی تین سال پہلے کی بات ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو مسئلہ کشمیر کے بارے میں بہت سی غلطیاں کرنے کے بعد آخر میں اس نتیجہ پر پہنچ گئے تھے کہ اپنے موقف پر بے نتیجہ اصرار کرنے کے بجائے معاملہ کشمیر کے حقائق کو جیسا کہ وہ ہیں زیر غور لاکر ہمیشہ کیلئے اس تنازعہ کو طے کر ڈالیں۔ اس وقت تک مسئلہ کشمیر کو طے کرنے کے راستہ میں ایک بڑی رکاوٹ ریاست میں بخشی وزارت کا وجود تھا جس نے ۱۹۵۳ء میں شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کو وزارت سے برطرف کرکے تمام لیڈروں کو جیلوں میں بند کر دیا تھا۔ اور سیاسی رہنماؤں، کارکنوں اور اختلاف رکھنے والوں پر سازشیں کیں۔ بم کیس، قتل کیس وغیرہ وغیرہ سینکڑوں مقدمات بنا کر ریاست میں خوف و ہراس کی ایسی فضا قائم کر دی تھی جس میں آزادی سے سانس لینا بھی مشکل بنا دیا گیا تھا اور اس کیفیت کا نام رکھا تھا مسئلہ کشمیر کا حل۔ آنجہانی پنڈت جی بھی کچھ مدت تک مسئلہ کشمیر کے اس حل کے ساتھ تو نغمات الاپتے رہے۔ لیکن ۱۹۶۳ء کے ختم ہونے سے کچھ پہلے جب زیارت حضرت بل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والے مقدس تبرک پر دست درازی کی وجہ سے کشمیر میں ایک ذہنی انقلاب نمایاں ہوا عوام میں ایک بے خوفی پیدا ہو گئی۔ جس کی وجہ سے

بخشی دور کے رعب کا سارا طلسمی قلعہ مسمار ہو گیا اور مسئلہ کشمیر از سر نو اپنی اصلی شکل و صورت میں دنیا کو دکھائی دینے لگا۔

تین عناصر کو تسلیم کرنا

اُدھر پنڈت جواہر لال کو بھی اپنے طرزِ عمل پر نظر ثانی کرنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا اور اس نے یہ حقیقت تسلیم کر لی کہ مسئلہ کشمیر کو اگر حل نہ کیا گیا تو یہ مسئلہ قیامت تک زندہ رہیگا اور دوسرے حل کے علاوہ ہندوستان کے لیے دردِ سر بنا رہیگا اور ہندوستان کی اندرونی ترقی کے راستہ میں اس مسئلہ کے حل نہ ہونے سے رکاوٹوں کے پہاڑ کھڑے ہوں گے۔ اور دنیا میں ہندوستان کے مخالف اس تنازعہ کا ہمیشہ فائدہ اٹھاتے رہیں گے! پنڈت جی کی یہی حقیقت شناسی تھی جس سے کام لیکر انہوں نے شفیانہ کہا کہ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کیلئے کشمیر کے رہنماؤں، ہندوستانی حکومت اور پاکستانی حکومت یعنی مسئلہ کشمیر سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں۔ تین عناصر کو ایک مشترکہ کانفرنس کی میز پر جمع کر کے کوشش کی جائے کہ وہ باہمی آزادانہ اور براہ راست بحث کر کے اس دیرینہ جھگڑے کو طے کرنے کیلئے کوئی ایسا منصفانہ حل تلاش کر لیں جو کشمیر کے عوام کی تمناؤں اور رضامندی کا بھی آئینہ دار ہو اور ہندوستان اور پاکستان دونوں کے لئے آبرومندانہ ہو۔

۱۹۶۴ء کے ماہ اپریل میں جناب شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ اور دیگر رہنماؤں کی جیلوں سے رہائی اور بخشی وزارت کے زمانہ کے مقدمات کا خاتمہ اور ماہ مئی میں شیخ صاحب اور ان کے رفقاء کا نئی دہلی میں پنڈت جی اور باقی ہندوستانی رہنماؤں سے لمبی بحثیں کرنا اور اسکے بعد راولپنڈی جا کر پاکستان کے صدر مارشل محمد ایوب خان کو ہندوستان

آنے پر رضامند کر لینا اور ایک ہائی لیول کانفرنس کا پروگرام بن جانا ایسے واقعات ہیں جو آج سے تین سال قبل کی تاریخ کے سینے پر موٹے حروف میں کندہ ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ موت کے بے رحم ہاتھوں نے عین اسی موقعہ پر پنڈت جی کی روح قبض کر لی اور تین عناصر نے مل کر مسئلہ کشمیر کا جو حل تلاش کرنا تھا وہ کسی ایسے وقت پر ملتوی ہو گیا جس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ لیکن یہ حقیقت بہرحال اپنی جگہ قائم ہے کہ مسئلہ کشمیر کے ساتھ براہ راست تعلق رکھنے والے تین ترجمان پنڈت جواہر لال نہرو، شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ اور مارشل محمد ایوب خان اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ مسئلہ کشمیر کے ساتھ تعلق رکھنے والے تین عناصر ایک کانفرنس کی صورت میں یکجا ہو جائیں اور دائمی فیصلہ کر کے اٹھیں

تین عناصر کی گول میز کانفرنس

تین عناصر کی گول میز کانفرنس کی ہی تجویز ہے جس کا مطالبہ میں نے آجکل اپنے انتخابی منشور کے طور سے پیش کیا ہے۔ یہ ہر سہ فریق کی مسلمہ چیز ہے۔ میں اس کے عملی شکل اختیار کرنے پر زور دے رہا ہوں۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ پنڈت جی کی وفات کے بعد جو لوگ ہندوستان کی سیاسی رہنمائی کرنے کے لئے پنڈت جی کے جانشین بنے وہ مسئلہ کشمیر کو آپس کی بات چیت کے ذریعہ حل کرنے کی خوبیوں کا صحیح اندازہ نہ کر سکے اور چونکہ نئی لیڈرشپ کو عوام پر وہ گرفت حاصل نہیں تھی جو پنڈت جی کو تھی اس لئے نئی لیڈرشپ اس مسئلے پر پنڈت جی کے قدم بقدم چلنے کی جرأت نہ کر سکی۔ اور کشمیر پر آئین کی دفعات ۳۵۵ و ۳۵۶ متعلقہ صدارتی

راج حاوی کرکے اور آئین کی دفعہ ۳۷۰ کے بارے میں بعض غلط بیانات دیکر نئی لیڈر شپ نے مسئلہ کشمیر کو مزید الجھایا۔ اور اس سلسلہ میں ۱۹۶۵ء کے دوران کشمیر کے سیاسی رہنماؤں کی عام گرفتاریاں، سفر حج کے دوران شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ اور جناب مرزا محمد افضل بیگ اور محترمہ بیگم صاحبہ شیر کشمیر کے کاغذات سفر کی تنسیخ اور دہلی واپس آنے پر تینوں کی گرفتاری اور نظر بندی اور وادی کشمیر میں عوامی تحریک کو کچلنے کیلئے نہتے عوام پر ہر قسم کا تشدد اور ادھر ہندوستان اور پاکستان کے دونوں ملکوں کے درمیان ستمبر ۱۹۶۵ء میں خون ریز جنگ کے حادثہ کا پیش آجانا۔ ان سب واقعات نے مل ملا کر دونوں ہمسایوں کے درمیان کڑواہٹ اور تلخی کا ایک دریا بہا رہا ہے۔ جسکی کڑواہٹ کو اعلان تاشقند کا شہد وشکر بھی چنداں کم نہیں کرسکا۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بہت سے گہرے زخم جو کسی بھی مرہم سے مندمل نہ ہوسکتے ہوں وقت بیتنے سے اچھے ہو جاتے ہیں۔ البتہ ہمارا فرض ہے کہ مایوس ہو کر جد وجہد سے دستبردار نہ ہو جائیں اور اپنی کوششوں کو جاری رکھیں۔ دنیا کو امید رکھنی چاہیئے۔ کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ۱۹۶۵ء کی افسوس ناک جنگ کی وجہ سے جو رنجش بڑھ گئی تھی۔ وہ اب کم ہو جائے گی اور اس نئے تجربہ سے دونوں پر یہ حقیقت ایک بار پھر روشن ہو جائے گی کہ مسئلہ کشمیر جیسے تنازعات لڑائی سے نہیں صلح و سلامتی اور دور اندیشی کا راستہ اختیار کرنے سے ہی حل ہو سکتے ہیں اور رہ گئی تین عناصر کی گول میز کانفرنس کا بھی ہو سکتا ہے

یہ ہے وہ پس منظر جس نے مجھے یہ [ووٹروں اور امیدواروں کا امتحان]

یہ سمجھاؤں دیا کہ عام انتخابات کی تقریبات کا فائدہ اٹھا کر میں مسئلہ کشمیر کے حل کی فوری ضرورت کی طرف ووٹروں کی اور دوسرے لوگوں کی توجہ مبذول کراؤں۔ دنیا کو ایک بار پھر یاد دلاؤں کہ انتخابات جیسے جمہوری ہنگامے کے وقت امیدواروں اور ووٹروں کی دماغی قابلیت اور ذہنی اہلیت کے امتحان کا میدان صرف مسئلہ کشمیر کو بننا چاہیے ووٹروں سے جو کوئی ووٹ مانگنے آئے۔ اس سے واحد سوال یہ ہونا چاہیے کہ "مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لئے تمہارے پاس کیا تجویز ہے"؟ اس سوال کے جواب پر ہی امیدوار کو ووٹ دینے یا نہ دینے کا فیصلہ منحصر ہونا چاہیے۔ میں اس سلسلہ میں جو تجویز پیش کر رہا ہوں وہ "گول میز کانفرنس" کی تجویز ہے۔ جیسے کہ پہلے ہی واضح کیا جا چکا ہے گول میز کانفرنس کا لفظ تو نیا ہے۔ لیکن جہاں تک گول میز کانفرنس کی روح کا سوال ہے اور مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لئے تین متعلقہ عناصر — رہنمایان کشمیر، حکومت ہند، حکومت پاکستان — کے یکجا ہو کر کسی فیصلے پر پہنچنے کی تجویز کا تعلق ہے۔ یہ تجویز نئی نہیں اور جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا پنڈت جواہر لال نہرو، شیخ محمد عبداللہ اور جنرل ایوب خان۔ آج سے تین سال قبل یعنی ماہ مئی سنہ ۱۹۶۴ میں جس فیصلے پر پہنچ چکے تھے۔ وہ عملاً گول میز کانفرنس کی صورت اختیار کرنے والا تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ مسئلہ کشمیر کے پرامن حل کی یہ تجویز سربستہ خاموشی کی نذر نہ ہو جائے۔ اس لئے انتخابات کے وقت مطالبہ کرتا ہوں کہ کوششوں کا تاگا جہاں سے ٹوٹ گیا تھا۔ پھر وہیں سے جوڑ لیا جائے اور گول میز کانفرنس کے مطالبہ کے نام سے اس تصور کو اور آگے بڑھایا جائے

میں چاہتا ہوں کہ کشمیر میں انتخابات کے امیدوار اور ووٹر دونوں فریق دوسرے چھوٹے مسائل پر اپنا وقت اور اپنی قابلیت ضائع نہ کریں اور اپنے دماغ کی ساری قابلیتوں کو اس ریاست کے سب سے مشکل اور سب سے بڑے مسئلے کا حل تلاش کرنے پر صرف کریں۔ قوم اور وطن کے مستقبل کا احساس رکھنے والے ہی ایک کشمیری کو چاہیے وہ امیدوار ہو یا ووٹر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اگر ہم نے مسئلہ کشمیر کو آج پس پشت ڈالدیا تو کم از کم پانچ سال تک مزید یہ مسئلہ خاموشی میں بند ہو جائے گا اور اس اثنا میں مخالف طاقتیں خاموش نہ بیٹھیں گی۔ وہ اس کے حل کو مشکل سے مشکل تر بنا کر معاملات کو وہاں پہنچا دیں گی جہاں وہ آپ کی دسترس سے باہر ہو جائیں گے۔

شیخ صاحب اور گول میز کانفرنس

اس مقصد کیلئے جیسا کہ میں پہلے بھی واضح کر چکا ہوں۔ گول میز کانفرنس کا لفظ تو نیا ہو سکتا ہے لیکن مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لئے یہ تصور نیا نہیں۔ یہ تجویز کہ تین متعلقہ پارٹیاں ہندوستان، پاکستان اور کشمیر۔ باہمی گفت و شنید سے کشمیر کے سوال کو حل کریں۔ بارہا بین الاقوامی سٹیجوں سے دہرائی جا چکی ہے اور بہت سی بڑی طاقتیں جو ہندوستان اور پاکستان بیک وقت دوست اور خیر خواہ ہیں اس خواہش کا اظہار کر چکے ہیں۔ کہ مسئلہ کشمیر آپس کی بات چیت سے طے کیا جائے۔

شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ جو مسئلہ کشمیر کے سب سے

بڑے علمبردار ہیں اور اس مسئلہ کو حل کرانے کی جدوجہد میں اپنی زندگی کا بہت طویل اور بہترین حصہ قید و بند اور جلا وطنی کی نذر کر چکے ہیں۔ اگر ان کے وقتاً فوقتاً دیئے ہوئے بیانات، تقریروں اور تحریروں کو یکجا کر کے غور سے پڑھا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ اس مسئلہ کے حل کے بارے میں کونسا طریق کار تجویز کرتے ہیں تو صاف عیاں ہو جائیگا کہ وہ اس مسئلہ کو صلح و سلامتی سے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان پرامن اور دوستانہ ماحول میں ایسے طریقے سے حل کرانا چاہتے ہیں اور جس سے آئیندہ ان تینوں پارٹیوں کے لئے ترقی کے راستہ پر باہمی تعاون کے دروازے کھل جائیں۔ شیخ صاحب نے یہ نقطۂ نگاہ نہ صرف اپنی تازہ جلاوطنی اور نظر بندی سے قبل پیش کیا ہے بلکہ موجودہ نظر بندی کے دوران میں وہ اس کو دہرا چکے ہیں۔ ۱۹۶۵ء کا واقعہ ہے کہ جب شیخ صاحب اوٹی کمنڈ میں نظر بند تھے ہندوستان کے صدر محترم ڈاکٹر رادھا کرشنن نے صوبہ مدراس ہٹور نام مقام پر ۲ جولائی کو تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"ہمارے لئے یہ امر بیحد ضروری ہے کہ ہم آبرومندانہ اور باوقار طریقے سے اپنے دو ہمسایوں، پاکستان اور چین کے ساتھ متنازعہ معاملات کو طے کر لیں۔ ہم اس وقت اپنے فوجی اخراجات پر پورے نو سو کروڑ (۹ نو ارب) روپیہ کا ہولناک خرچ برداشت کر رہے ہیں حالانکہ ہمارے عوام کی دوسری ضروریات زیادہ توجہ اور اخراجات کی محتاج اور مستحق ہیں۔ اگر ہم اپنے ہمسایہ ملکوں کے ساتھ اپنے جھگڑے ختم کر لیں تو جنگی اخراجات پر صرف ہونے والی یہ بھاری رقم ہمارے ملک کی اندرونی

ترقیات کے لئے بچ جائیں گی"۔

شیخ صاحب نے اوٹاکمنڈ سے ۹ جولائی کو ڈاکٹر رادھا کرشنن کی خدمت میں ایک خط لکھ کر مندرجہ بالا تقریر کی تائید کی اور لکھا کہ آپ نے اپنی اس تقریر میں نہ صرف برصغیر کے کروڑوں عوام بلکہ دنیا بھر کے امن پسند لوگوں کے دل کی ترجمانی کی ہے"

اسی تاریخ (۹ جولائی ۶۵ء) کو دوسرا مفصل خط شیر کشمیر نے ہندوستان کے وزیر اعظم شری لال بہادر شاستری کو لکھا جس میں صدر ہندوستان کی مندرجہ بالا تقریر کے مذکورہ بالا الفاظ کا حوالہ دینے کے بعد تحریر فرمایا کہ

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ یہی کچھ ہے نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ۔ پورے احترام کے ساتھ میں صدر ہندوستان کی اس تقریر میں بیان کردہ پالیسی پر عمل کرنے کی تائید اور تاکید کرتا ہوں۔ جو ملک کی بلند ترین منصب پر فائز شخصیت نے واضح کی ہے"

شاستری جی کو شیخ صاحب اپنے خط میں اپنے یورپ کے سفر کے سلسلہ میں پیش آمدہ واقعات اور اس سلسلہ میں حکومت ہند کی غلط فہمیوں اور پاسپورٹ منسوخ کرنے اور واپسی پر گرفتار کر لینے وغیرہ واقعات کے بارے میں بھی مخاطب کیا ہے اور ہندوستان و پاکستان کے درمیان دوستی کی ضرورت پر اپنا نقطہ نظر پر زور وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"بیرونی ممالک کے رہنماؤں اور سربرآوردہ ہستیوں سے

آپ پر یہ امر واضح ہو چکا ہوگا کہ میں اپنے سفر کے دوران ہندوستان
کو بدنام کرنے کے درپے نہیں تھا کیونکہ ایسا کرنا دیگر وجوہات کے
علاوہ میرے لئے اس بنیاد پر بھی بیجا ہوگا۔ کہ اس سے خود میرے اس
مقصد کو زک پہنچتی ہے جو مجھے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان
دیرپا دوستی بحال کرنے کی صورت میں مدنظر ہے۔ حقیقتاً یہ میرا پختہ
یقین ہے کہ ریاست کشمیر کے ہم سب عوام کی کامیابی کی امید گاہ
ہندوستان اور پاکستان کی باہمی صلح اور دوستی ہے اور میں پورے
اعتماد کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرتا ہوں کہ پنڈت جواہر لال
نہرو اپنی عمر کے آخری ایام میں ہندوستان اور پاکستان کی دوستی کے
لئے بیتاب تھے۔ اس سفر کے دوران بعض پاکستانی ڈپلومیٹ
ہستیوں سے جہاں کہیں میری ملاقات ہوئی۔ تو وہ بھی یہی ہند پاک
دوستی کی کوششوں کا ایک حقیقی حصہ ان لوگوں پر اور دوسری اہم
شخصیتوں پہ یہ امر واضح کر دینا میرا مشن تھا کہ ان دو ہمسایہ ملکوں
کے درمیان عداوت اور دشمنی کی فضا برصغیر کے کروڑوں لوگوں کے
حق میں تباہ کن ہے۔ میں نے اور میرے رفیق نے جہاں کہیں تقریریں
کیں ان کا ماحصل بھی یہی تھا۔ میرے لئے یہ امر موجب تسلی تھا کہ
بیرونی ممالک کی جن بڑی ہستیوں سے میری بات چیت ہوئی۔ وہ بھی
ہندوستان اور پاکستان کی دوستی کے بارے میں مجھ سے متفق تھے
میری تمنا تھی کہ یہ با اثر لوگ بھی ہندوستان اور پاکستان کو ایک
دوسرے کے قریب لانے میں اپنا اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں
اس خط میں آگے چل کر شیخ صاحب نے وزیر اعظم ہند

کو لکھا ہے کہ "سب جھگڑوں کو حل کرنے کیلئے بہترین راستہ وہی ہے جو پریذیڈنٹ ڈاکٹر رادھا کرشنن نے منظور ہی ابھی ۲ جولائی والی تقریر میں پیش کیا ہے"

۶۶

اعلان تاشقند اور مسئلہ کشمیر

مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لئے جنوری ۱۹۶۶ء میں ساری دنیا کی تائید اور جمہوریہ سوویت روس کی کوششوں سے تاشقند میں ہندوستان اور پاکستان کے رہنماؤں کا اجتماع ہوا روس کے وزیر اعظم جناب کوسی گن کی مخلصانہ دوڑ دھوپ اور آنجہانی شری لال بہادر شاستری اور مارشل محمد ایوب خان کے باہمی ہفتہ بھر کے طویل مکالمات اور مباحثوں کے بعد ۱۰ جنوری کو چار بجے اس متفقہ دستاویز پر دستخط ہوئے جو اعلان تاشقند کے نام سے دنیا میں مشہور ہو چکی ہے اس تحریر کے نتیجہ میں دو ملکوں کے درمیان جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ دونوں کی فوجیں واپس اپنی اپنی سرحدوں کے اندر چلی گئیں۔ ریاست کشمیر میں پرانی سیز فائر لائن کا دوبارہ احترام ہونے لگا اور دونوں ملکوں کے درمیان ٹوٹے ہوئے سفارتی تعلقات بحال ہو گئے لیکن جہاں تک کشمیر کے الحاق کا سوال تھا اس پر [illegible] کے نمائندے [illegible] اور دونوں ملکوں کے درمیان دوستی [illegible] اور [illegible] ریاست [illegible] ان کی ایک [illegible] [illegible]

تاشقند کانفرنس کیوں ناکام رہی

مسئلہ کشمیر کو حل کرنے [illegible] تاشقند کانفرنس اگر [illegible]

ہیں ناکام رہی تو وقت آ گیا ہے کہ اس کی ناکامی کی وجوہات پر غور کیا جائے۔ اور سوچا جائے کہ جو کانفرنس حکومت روس جیسی زمانۂ حاضرہ کی عظیم طاقت اور ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں کی یکساں خیر خواہ طاقت کے سرگرم تعاون سے منعقد ہوئی اور جس کانفرنس کو بیک وقت امریکہ، برطانیہ، فرانس اور دنیا کے دیگر بڑے بڑے ملکوں کی تائید حاصل تھی۔ وہ کانفرنس سب سے بڑے زیر غور مسئلے یعنی مسئلہ کشمیر کو حل کرنے میں کامیاب کیوں نہ ہو سکی۔ سوال کے ہر پہلو سے جانچ کر جواب یہی ملتا ہے۔ کہ ناکامی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ کانفرنس کے میز پر کشمیر کے نمائندوں کا موجود نہ ہونا۔ اگر تاشقند کانفرنس میں جہاں صدر ایوب خان، اور وزیر اعظم لال بہادر شاستری اپنے اپنے مشیروں کو لے کر موجود تھے وہاں شیخ محمد عبداللہ مولانا یوسف شاہ، چودھری عباس، مرزا محمد افضل بیگ خواجہ محی الدین قرہ اور ریاست جموں و کشمیر کے دوسرے قومی رہنما بھی بلا لئے گئے ہوتے اور کانفرنس دو پارٹیوں کے بجائے تین اہم پارٹیوں کا اجتماع بن گئی ہوتی۔ تو مسئلہ کشمیر ۱۰ جنوری ۶۶ کو بھی طے ہو گیا ہوتا۔ تاشقند کے اجتماع کی یہ فروگذاشت اور اس کا نتیجہ ہم کو یہی سبق دیتا ہے کہ آئندہ اس مسئلہ کو صرف ہندوستان اور پاکستان کی ملاقات پر منحصر نہ کیا جائے اور مسئلہ کشمیر کے ساتھ براہ راست تعلق رکھنے والے تیسرے فریق باشندگان جموں و کشمیر کے نمائندوں کی شمولیت کو اکثیت کا درجہ دیا جائے۔ یہی مفہوم ہے ہمارے اس

مطالبے کا کہ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کیلئے تین عناصر کی گول میز کانفرنس منعقد کی جائے

گول میز کانفرنس کا مطالبہ

تاشقند پر قرہ صاحب کا تبصرہ] اتنا مدلل اور واضح ہے کہ اس پر مدلل بحث کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر بھی چھوٹی سی وضاحت کیلئے تحریک کشمیر کے ایک سربرآوردہ اور حق کے قائد خواجہ غلام محی الدین صاحب قرہ کی اجماع تاشقند کے بارے میں چھٹی ٹلی اسے نقل کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ گذشتہ سال جب اعلان تاشقند دنیا کے سامنے آیا تو اس وقت ریاست کے اکثر بڑے رہنما جیلوں میں بند تھے اسلئے عوام کے سامنے کوئی سلجھ ہماری طرف نہ آ سکی۔ البتہ کشمیر پولیٹیکل کانفرنس نے کارکنوں نے اپنے بانی تنظیم جناب قرہ صاحب سے جموں سپیشل جیل میں ملاقات کر کے خواہش کی کہ اعلان تاشقند کے بارے میں ان کی رہنمائی کی جائے۔ خواجہ صاحب نے اس اعلان پر ایک مفصل تبصرہ کیا جو پولیٹیکل کانفرنس نے ایک ٹریکٹ کی صورت میں چھاپ کر تقسیم کر دیا ہے۔ یہ ٹریکٹ میرے سامنے ہے۔ اس تبصرہ میں خواجہ صاحب نے پر زور دلائل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تاشقند میں منعقد شدہ کانفرنس میں جناب شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ اور کشمیر کے دیگر رہنماؤں کا موجود نہ ہونا ریاست کے لوگوں کے ساتھ بڑی بے انصافی

بے انصافی ہے۔ اور خود تاشقند کانفرنس کے ساتھ

ہے۔ کیونکہ اس فروگذاشت کی وجہ سے مسئلہ کشمیر حل نہیں
ہو سکا۔ خواجہ صاحب نے اس سلسلہ میں فرمایا ہے کہ :
"یہ تاشقند کانفرنس ہو یا ہندوستان اور پاکستان کے
درمیان مسئلہ کشمیر پر وزارتی سطح کی کوئی دوسری کانفرنس
ہو۔ جب تک اس قسم کانفرنسوں کی میز کے کنارے کشمیریوں کی
کرسیاں خالی رہیں گی تب تک مسئلہ کشمیر پر کسی بھی صاف گوئی
کا کوئی خاطر خواہ اور صحیح نتیجہ برآمد نہ ہوگا۔ دنیا کو یہ بات نظر
انداز نہ کرنی چاہیئے کہ کشمیر صرف اونچے اونچے پہاڑوں، گھنے
اور سایہ دار جنگلوں، ہرے اور بل کھاتے دریاؤں، سرسبز [illegible]
[illegible] کھیتوں [illegible] ہی کا نام نہیں ہے [illegible] ہاتھوں
کا [illegible] سے کشمیر کے عوام میں وہ [illegible] ذہین و کھلے
انسان ہیں جو [illegible] نعرہ لگاتے ہیں "یہ ملک ہمارا ہے"
[illegible] اس لئے کشمیر کے عوام کو الگ رکھ کر
کوئی کانفرنس، کوئی فیصلہ نہ تو آج چلا ہے اور نہ آئندہ چلے گا۔"

کانفرنس کی ضمانت

ہندوستان میں گذشتہ [illegible] بعض لوگ [illegible] امن کانفرنس کے [illegible] بطور
ہو جانے کے بعد [illegible] مایوسی کا اظہار کرتے ہیں [illegible] مایوسی کی [illegible]
[illegible] کیا ہے [illegible] اور [illegible] دو ملکوں [illegible] پورا
[illegible]
[illegible] کہ [illegible]
[illegible] جو

بھی خلوص کے ساتھ کشمیر کے عوام کے حق خود ارادیت کا احترام کرتے ہیں اور چاہتے ہیں۔ کہ مسئلہ کشمیر ایک طرف کشمیر کے عوام کی تمناؤں کے مطابق اور دوسری طرف ہندوستان اور پاکستان کی آبرومندانہ صلح اور دوستی کے مفاد میں طے ہو جائے ان لوگوں میں شری راج گوپال آچاریہ۔ شری جے پرکاش نرائن، سردار ماسٹر تارا سنگھ، سردار بدھ سنگھ شری سنوارا اور دوسرے بہت سے سرکردہ رہنما ہیں۔ جو بار بار حکومت ہند سے ان کی رائے اور کشمیر کے لوگوں کے اطمینان کے مطابق مسئلہ کشمیر کو طے کرنے کے لئے کہتے ہیں اور بار بار ہندوستان اور پاکستان کی دوستی کو برصغیر کے روشن مستقبل کے لئے شرط لازم قرار دے چکے ہیں۔ ان میں سے ایک کے اپنے الفاظ کا یہاں حوالہ دینا شاید مفید ہوگا۔

ونوبا جی کے خیالات

۲ ستمبر ۱۹۶۵ء کا ذکر ہے جب ہندوستان اور پاکستان کی افواج ایک خونریز جنگ میں گتھم گتھا ہو رہی تھیں تو شری ونوبا جی نے الہ آباد کے پنڈال میں ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"اب کشمیر کا مسئلہ ہمارے ہاں یہاں بولا جاتا ہے کہ کشمیر کا مسئلہ ہے ہی نہیں۔ آپ یہ ضد کر کے کہیں کہ ہے ہی نہیں تو کہہ سکتے ہو۔ لیکن کشمیر کا مسئلہ ہے ہی نہیں یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے"

(کتاب تقریبیں آگے کو ونوبا نے فرمایا)

"اور یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ کشمیر کا مسئلہ حل ہو گیا ہے"۔ اس مسئلہ کا حل یہی ہوگا جو ہندوستان کو تسلی بخش ہوگا، کشمیر کے لوگوں کو تسلی بخش ہوگا۔ اور پاکستان کے لوگوں کو تسلی بخش ہوگا""

شری جے پرکاش نارائن نے کشمیر کے سوال پر جو کچھ کہا ہے اور لکھا ہے وہ اخبار بین لوگوں کو معلوم ہے اور تازہ انتخابات کے بارے میں وہ کہہ چکے ہیں کہ شیر کشمیر، بیگ صاحب، مولانا مسعودی اور دیگر کشمیری رہنماؤں کو جیل میں بند کر کے ریاست کشمیر کے انتخابات کو آزادانہ منصفانہ کہنا فریب اور دھوکا ہے۔ جے پرکاش بابو کا موقف ہمیشہ یہی رہا ہے کہ ریاست کشمیر کے عوام کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا پورا حق ہے۔۔ اس حق کے استعمال کا موقعہ ان کو اب تک نہیں ملا۔ ملنا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں ۷ ستمبر ۶۴ء کو بنارس میں ہندوستان کی ایک مشہور تنظیم سرودیا سنگت کے لیڈروں اور سماجی کارکنوں کا ایک اجلاس تھا۔ شری جے پرکاش نرائن نے اس اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم لوگ جو سرودیا تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم ہندوستان کے عوام کو صاف صاف کہہ دیں کہ کشمیر کا مسئلہ صرف پر امن کوششوں سے ہی حل ہو سکتا ہے جب میں مسئلہ کشمیر پر اپنی رائے کا اظہار کرتا ہوں تو مجھے وطن دشمن کہکر میرا منہ بند کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ وزیر اعظم لال بہادر جی تو ایسا نہیں سوچتے۔ لیکن جہاں تک وزیر داخلہ شری گلزاری لال نندہ کا تعلق ہے انہوں نے فرض کر لیا ہے کہ کشمیر کے بارے میں تو اب حل کرنے کے لائق کوئی سوال ہی باقی نہیں رہا ہے حالانکہ

صداقت کی پوچھو تو وہ یہ ہے کہ کشمیر کا سوال آج بھی اسی طرح حل
طلب ہے جس طرح پہلے تھا اور اب اس سوال نے ساری دنیا
کا دامن اپنے کانٹوں میں الجھا لیا ہے۔"

سروودیا کے صدر کا بیان

سروودیا سنگھ کے ایک اور بڑے لیڈر شری
ملن موہن چودھری نے بنارس کے مذکورہ
بالا اجتماع کے خاتمہ پر ۱۰ ستمبر ۱۹۶۵ء کو ایک بیان جاری
کیا جس میں مسئلہ کشمیر پر حسب ذیل خیالات کا۔ مختصر یہ گول میز
کانفرنس۔ ہندوستان، پاکستان اور کشمیر کی گول میز کانفرنس
مسئلہ کشمیر کے حل کا بہترین راستہ ہے۔ ہندوستان اور پاکستان
کے بگڑے تعلقات کو استوار کرنے کے لئے مسئلہ کشمیر کو حل کرنا
اہم ترین حیثیت رکھتا ہے۔ اس بات کا احساس کرنا ضروری
ہے کہ محض اس بات کی رٹ لگائے جانا کہ اب مسئلہ کشمیر کے
نام کا کوئی مسئلہ باقی نہیں ہے۔ بیکار بات ہے۔ اور ایسا کرنے سے
یہ تنازعہ کالعدم نہیں ہو سکتا۔ اس مسئلہ کو حقیقت شناسی اور
واقعیت پسندی سے زیر بحث لانا چاہیئے۔ اور حکومت ہند
کو مسئلہ کشمیر کے حل کرنے کے لئے تمام ذرائع تلاش کرنے پر اپنی
کھلی آمادگی کا اظہار کرنا چاہیئے۔ اور کوشش کرنا چاہیئے کہ
ایسا حل ڈھونڈ لیا جائے جو تمام متعلقہ پارٹیوں کے لئے قابل قبول
ہو۔ آج سے چند مہینے قبل جب عام انتخابات کا چرچا
ہونے لگا تو مجھے میرے دل نے یہی مشورہ دیا کہ میں مسئلہ کشمیر کو
حل کرانے کے لئے گول میز کانفرنس کے مطالبہ کو عام کرنے کے
لئے اخبار شائع کروں اور انتخابات کی جدوجہد کے بہانے

سے اس مشن کو جس قدر ممکن ہو سکے آگے بڑھاؤں۔ اگر یہ پاکیزہ
مقصد پیش نظر نہ ہوتا۔ تو انتخابات کے بکھیڑوں میں پڑنے کا سوال
ہی پیدا نہ ہوتا۔ وہ تو حضرات جانتے ہیں کہ میرے سامنے کتنے پہاڑ
پیر پنجال اور کوہ ہمالیہ کھڑے ہیں (۱) نیشنل کانفرنس کے بخشی صاحب
خرافات اور پرانے ہر قسم کے حامیوں کی فوج لیکر (۲) کشمیر کانگریس
اور کشمیر ریاست کے ایک منسٹر صاحب حکومت کی پوری طاقت کے
بل بوتے پر (۳) بھارت جن سنگھ کے امیدوار صاحب اپنی کمیونٹی
کے ذہین اور تجربہ کار پروپیگنڈسٹوں کا ایک لشکر جرار لئے
ہوئے اور ان تینوں امیدوار کا میرے مطالبات کے مقابلے میں
اتحاد اور یہ مشترکہ نعرہ کہ اب کشمیر کا کوئی حل طلب مسئلہ ہی نہیں
مشکلات کے ان سب پہاڑوں کے علاوہ حضرات بائیکاٹ کہیں نادانستہ
اور کہیں دانستہ میرے مخالفین اور مسئلہ کشمیر کے مخالفین کی امداد پہ
کمربستہ ہونے پر سہاگہ یہ کہ خود میرے پاس سرینگر سے کر پہاڑوں کی
چوٹیوں پر بیٹھے ساڑھے تین لاکھ سے زائد ووٹروں تک اپنا پیغام
پہنچانے کیلئے نہ کوئی تنظیم نہ کوئی پریس نہ جیپیں نہ گاڑیاں اور نہ
پیسہ۔ غرض یہ کہ سارا ماحول انتخابات کا امیدوار بننے کیلئے
ناسازگار ہونے کے باوجود جس واحد جذبے نے مجھے میدان میں لا کھڑا
کیا ہے۔ وہ ہے مسئلہ کشمیر کے حل ہو جانے کی تمنا اور اس حل کے لئے گول
میز کانفرنس کے نعرے کو عوام تک پہنچانے کا مشن۔ پڑھنے والے
ووٹوں کی اکثریت میری تائید کریگی تو آگے جاکر اس مشن کو پھیلانے کا
مجھے ایک اور موقع ملے گا۔ اور اگر مشکلات کے پہاڑ اور مخالفین کی
دھاندلیاں میرے درمیان اور ووٹروں کے درمیان حائل ہو

جائیں گی تب بھی اپنے مشن کی جتنی کچھ تبلیغ انتخابی جدوجہد کے دوران
پا ڈالونگا۔ میرے لئے وہ چھوٹی کامیابی نہیں بہت بڑی کامیابی ہے

منشور کو ایک بار پھر پڑھئے

اس ٹریکٹ کے آخر میں اپنے موقف کی باتیں ووٹروں کے ذہن میں تازہ کر دینے کے لئے اپنے پہلے اعلان اور انتخابی منشور دوبارہ چھاپ دینا چاہتا ہوں۔ آپ ووٹ کے بارے میں آخری فیصلہ لینے سے پہلے ایک نظر اس پر ڈال لیجئے۔

پہلی بات - میں بشیر احمد مسعودی ساکن گاندربل آنے والے عام انتخابات کے موقعہ پر ہند پارلیمنٹ کے نچلے ایوان یعنے لوک سبھا کی اس نشست کیلئے بطور آزاد امیدوار کھڑا ہوتا ہوں جو شہر سرینگر اور ضلع سرینگر میں واقع تحصیلات پر مشتمل ہے

دوسری بات - انتخابات لڑنا ایک جمہوری فرض ہے۔ قومی مقاصد کی حمایت میں انتخابات کے میدان میں نکلنا ہی ایک واحد ذریعہ ہے بڑے مسائل کو پرامن طریقے سے طے کرنے کا۔ ووٹ مانگنے سے پہلے امیدوار کا فرض ہے کہ اپنے حلقہ انتخاب کے لوگوں کو بتلائے کہ وہ کونسے قومی مقاصد کی حمایت کرنا چاہتا ہے تاکہ ووٹ دہندگان اپنا ووٹ اسکی تائید میں استعمال کر سکیں۔ میں اپنے حلقہ انتخاب یعنے سرینگر کے ووٹروں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ مسئلہ کشمیر گذشتہ بیس سال سے حل نہیں کیا گیا۔ میں آپ کو پکارتا ہوں۔ کہ آپ اس مسئلہ کے حل کئے جانے کی ضرورت کو سب باتوں پر مقدم سمجھ کر اپنا ووٹ اس گتھی کو سلجھانے کی حمایت میں استعمال کریں۔ انتخاب کا امیدوار جو کہ مسئلہ کشمیر کو پرامن طریقہ سے

حل کرنے کا مطالبہ کرتا ہوں۔ آپ اپنے ووٹ سے اس مطالبہ کی تائید کریں

تیسری بات۔ آج کشمیر کے لوگوں سے ووٹ مانگنے کے لئے کئی پارٹیاں میدان میں نکل آئی ہیں۔ وزیر اعلیٰ جناب غلام محمد صادق کی کانگریس پارٹی پنڈت پریم ناتھ جی ڈوگرہ کی جن سنگھ اور بخشی صاحب کی نیشنل کانفرنس ایک دوسری کے مقابلہ میں یہ تینوں پارٹیاں اپنی اپنی برائی کا چرچا کرتی ہیں لیکن جہاں تک مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کی ضرورت کا سوال ہے اسکی مخالفت کرنے میں تینوں متفق اور متحد ہیں۔ اور واقعات سے آنکھیں بند کرکے کہتی ہیں کہ کشمیر کا مسئلہ حل ہو چکا ہے اب کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں" حالانکہ دنیا جانتی ہے اور کشمیر کے عوام جانتے ہیں کہ باشندگان ریاست جموں و کشمیر کے لئے پچھلے بیس سال سے جو مسئلہ موت و حیات کا سوال بنا ہوا ہے وہ مسئلہ کشمیر ہے اب انتخابات کے وقت ووٹروں کا امتحان ہو جائے گا۔ اور یہ پتہ چل جائے گا کہ رائے دہندہ عوام کی نظروں میں مسئلہ کشمیر حل طلب ہے یا حل ہو چکا ہے

چوتھی بات۔ انتخابات کے میدان میں اترتے ہوئے میرا موقف یہ ہے کہ مسئلہ کشمیر کو حل نہ کرنے سے جو غیر یقینیت کی وبا پھیلی ہے وہ ساٹھ لاکھ باشندگان ریاست جموں و کشمیر کی مصیبتوں کا سرچشمہ ہے اور یہ تنازعہ طے نہ ہونے سے جو کشمکش رونما ہوئی ہے وہ ہندوستان اور پاکستان کے ساٹھ کروڑ لوگوں کے درمیان عداوت اور دشمنی کی جڑ ہے۔ اہل ریاست کے روشن مستقبل اور ہندو پاک دوستی کی ضرورتوں کا تقاضا ہے۔ کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوششوں کو پہلا درجہ دیا جائے۔ انسانیت ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہم سب اس سلسلے میں اپنا اپنا فرض انجام دیں۔ میری رائے میں مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کا پہلا مخلصانہ قدم حسب ذیل صورت میں اٹھنا چاہئیے

(۱) جناب شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ اور کشمیر کے دیگر تمام نظر بند اور مقید
رہنماؤں کو مزید وقت ضائع کئے فی الفور رہا کر دیا جائے۔

(۲) سنہ ۱۹۴۷ء میں آزادی ملنے کے بعد ریاست جموں و کشمیر کے عوام کے ساتھ جو
وعدے کئے گئے ہیں ان کو پورا کرنے کی ذمہ داری کا احساس کیا جائے۔

۳۔ ایسا انتظام کیا جائے کہ ایک گول میز کے کنارے تینوں پارٹیاں ہندوستان
پاکستان اور کشمیر کے نمائندہ رہنما بیٹھ جائیں اور مسئلہ کشمیر کا ہمیشہ کیلئے
آخری فیصلہ کر کے اٹھیں۔ یہ مطالبہ میرا موقف اور مقصد ہے اور ووٹ
دہندگان میں سے جو لوگ اس مطالبے کو صحیح سمجھتے ہیں ان پر فرض عاید
ہوتا ہے کہ وہ اپنا ووٹ اسکی تائید میں ڈالیں۔

پانچویں بات۔ انتخابات میں ووٹروں تک اپنا نقطۂ نگاہ پہنچانے کے
لئے تنظیم اور پریس کی ضرورت ہوتی ہے۔ کشمیر میں ان دونوں چیزوں
پر صرف [illegible] کنٹرول ہے اور ایک آزاد امیدوار کے راستے میں دشواریوں
کے پہاڑ کھڑے ہیں۔ یہ میرے جیسا غریب آزاد امیدوار مزید مشکلات
کا شکار ہے۔ صورت حال جب ایسی ہو تو رائے دہندگان پر دوہری
ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے (۱) صحیح مقصد کی تائید میں خود
ووٹ ڈالنا (۲) دوسرے ووٹروں کی رہنمائی کرنا۔ مجھے امید ہے کہ
باشعور ووٹر اس دوگونہ ذمہ داری کو از خود انجام دینگے اور خود ہی وہ
کام کرینگے جو میرے مخالف کے لئے ریڈیو اخبارات اور اپنی اپنی پارٹیاں کرتی ہیں

اعلان کنندہ (مولوی) شبیر احمد مسعودی ایم۔اے۔ ایل ایل بی
وکیل ہائیکورٹ